© rasailojaraid.com

حالاتِ حاضرہ

بقاءِ امنِ عالم کی تحریکات پر ایک نظر

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

جنگ وجدل یا کسی ایک قبیلہ، قوم اور نسل کے لوگوں کی دوسرے قبیلہ، قوم یا نسل کے لوگوں کے خلاف جارحانہ یا مدافعانہ لشکر کشی کوئی ایسا واقعہ نہیں جسے ان برائیوں کی فہرست میں شامل کیا جاسکے جو انسان کی علمی ترقیوں اور ذہنی ارتقا کی بدولت عالم وجود میں آئی ہیں۔ اس کے برعکس انسان روز اوّل ہی سے غیر شعوری طور پر جس قابل ذکر کمزوری اور برائی میں مبتلا رہا ہے اسے جنگ وجدل ہی کے الفاظ سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زمانہ قبل از تاریخ کا انسان جنگ وجدل کے لیے جن وسائل سے کام لیا کرتا تھا وہ اپنی تباہ کاری اور ہلاکت آفرینی میں آج کے وسائل جنگ وجدل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتے اور اس دور کے مقاصد جنگ کو بھی عہد حاضر کے مقاصد جنگ کی طرح وسیع اور ہمہ گیر قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ان ہر دو ادوار کے وسائل اور مقاصد جنگ کے مابین اختلاف کی موجودگی سے یہ امر لازم نہیں ہو جاتا ہے کہ عہد قدیم کا انسان جنگ وجدل کے تصورات سے قطعاً محروم تھا لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذہن انسانی کے ارتقا کی بدولت جہاں انسانی زندگی کے بے شمار شعبوں کی ایک منظم ترتیب پیدا ہوتی رہی ہے وہیں اس کی حیات اجتماعی کے مختلف ادوار میں جنگ وجدل کے تصورات بھی ایک مرتب اور منظم شکل اختیار کرتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ آج جنگ وجدل نے اقوام عالم کی زندگی میں ایک مستقل حکمت اور فلسفہ کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔

مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ کے انسان کو جب کبھی یہ خطرہ لاحق ہوتا ہو گا کہ کوئی درندہ اس پر حملہ آور ہونے والا ہے یا اسی جیسا کوئی انسان اسے اس کی ضرورت کی کسی شے سے محروم کر دینے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارادہ کر رہا ہے تو وہ غیر شعوری طور پر اپنی جان یا اپنی ضرورت کی چیزوں کی حفاظت کے لئے اس درندہ ہی جیسے اس انسان کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہوگا اور اس مقابلہ کے دوران میں اسلحہ کے طور پر پتھروں اور درختوں سے توڑی ہوئی موٹی موٹی شاخوں کے علاوہ اور کوئی شے استعمال نہ کی جاتی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی لڑائیوں اور مقابلوں سے فریقین کے علاوہ کسی اور کو کوئی نقصان نہ پہونچتا ہوگا اور اسی لئے اس دفعہ انسان کو کبھی یہ بات سوچنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئی ہوگی کہ اس قسم کی لڑائیوں کو روکنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ مگر آہستہ آہستہ جب ان لڑائیوں کے مقاصد اور وسائل میں وسعت پیدا ہونا شروع ہوگئی اور اسی نسبت سے انسان کے مختلف طبقات پر جنگ و جدل کے تباہ کن اثرات مرتب ہونے لگے تو بعض لوگوں نے جنگ و خونریزی کی تدابیر پر بھی غور کرنا شروع کیا اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ ہی میں جنگ و جدل کی مخالفت شروع ہوگئی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ آج کرۂ ارض کے مختلف گوشوں میں پیسیف ازم کے نام سے جنگ آزمائی کے خلاف جو تحریک جاری ہے وہ بیسویں صدی عیسوی ہی میں عالم وجود میں آئی ہے اور پیسیف ازم یعنی فلسفہ امن خواہی ہر قسم کی منظم لڑائیوں کا شدید مخالف ہے۔ اور اس فلسفہ کو ماننے والے انسان کے طبعی اتحاد کے قائل ہیں۔ وہ جنگ و جدال کو اجتماعی قتل و غارت گری سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جنگ کسی حال میں بھی صداقت کا معیار نہیں بن سکتا۔ وہ جنگ کو تنازعات طے کرانے اور شکایات دور کرنے کا منطقی ذریعہ تصور نہیں کرتے بلکہ تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ تحریک بہت قدیم ہے اور اسے قرون وسطیٰ کے طویل محاربات کا ردِ عمل تصور کیا جاتا ہے چنانچہ اس عہد میں بھی بہت سے افراد جنگ و جدل کے شدید مخالف واقع ہوئے تھے۔ مشرق میں بودھ اور جین مذاہب جنگ و خونریزی کے شدید ترین مخالف اور بقاء امن کے زبردست ترین حامی اور مبلغ تھے اور مغرب میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کے مذہبی انقلابات کے بعد ایسی متعدد تحریکات کا پتہ چلتا ہے جو جنگ و جدل ہی کو نہیں بلکہ ہر قسم کے متشددانہ اقدامات کو مسیحی تعلیمات کے خلاف قرار دیتی تھیں۔ چنانچہ جرمنی، ہالینڈ، پولینڈ، بوہیمیا اور انگلستان کے آنا بیپٹسٹ، مینونائٹ، پولش برادرز، زینیز سوسیٹی آف، بوہیمین برادرز اور کوئکرز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامی فرقے اِس عہد کے ممتاز امن خواہ اور مخالف جنگ فرقے تصور کئے جاتے تھے۔ اور پھر ان فرقوں نے نہ صرف فوجی خدمات ہی انجام دینے سے انکار کر دیا تھا بلکہ بعض نے اس بنا ٹیکس دینا بھی بند کر دیا تھا کہ حکومت ٹیکس کی آمدنی سے فوجی سپاہیوں کے مصارف برداشت کرتی ہے۔

پھر انیسویں صدی عیسوی کی لڑائیوں کے دوران میں براعظم یورپ کے جو لوگ ذاتی مشاہدات اور تجربات کی بدولت جنگ کی تباہ کاریوں کے قائل ہوگئے تھے انہوں نے "ادارۂ احباب" کے نام سے ایک بین الاقوامی جماعت قائم کرکے ازمنۂ وسطیٰ اور عہد حاضر کی تحریکات بقاء امن کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اب برطانیہ، امریکہ، فرانس، جرمنی اور دیگر ممالک میں "مجالس امن" کے نام سے اس تحریک کے ساتھ وابستہ متعدد جماعتیں قائم ہیں اس تحریک کے حامی اور داعی جنگ کے زمانہ میں فوجی خدمات انجام دینے سے انکار کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اگر انہیں اس جرم کی پاداش میں ملکی قانون کی رو سے کوئی سزا بھی دی جائے تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں اور زمانۂ امن میں یہ لوگ جنگ کی تباہ کاریوں کو بے نقاب کرکے لوگوں کو جنگ کی مخالفت پر متحد الرائے بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر بشمین نے ۱۹۳۸ء میں "مورل ری آرممنٹ" یعنی اخلاقی اسلحہ بندی یا تجدید اخلاق کے نام سے جو تحریک شروع کی تھی اور جس کے حامی آج دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں اگرچہ بظاہر اس کی بنیاد مسیحی تعلیمات پر قائم ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد بھی انسان کے اخلاق کو بلند کرکے اسے جنگ وجدل سے باز رکھنا ہی ہے۔ لیکن کیا یہ امر انتہائی حیرت انگیز اور افسوسناک نہیں کہ بقاء امن کی متعدد عالمگیر تحریکات کی موجودگی کے باوجود بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل ہی میں دنیا کو دو ایسی عظیم اور خونریز لڑائیوں کے دور سے گذرنا پڑا ہے جنکی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانا بھی آسان کام نہیں اور یہی وجہ ہے جس پر غور کرنے کے بعد نہ صرف بقاء امن کی مذکورہ بالا تمام تحریکات کی بے مائیگی ہی واضح ہوجاتی ہے بلکہ وہ صورت بھی سمجھ میں آجاتی ہے جو مستقبل میں انسان کو جنگ وخونریزی سے محفوظ رکھ کر پائدار امن کی ضامن ثابت ہوسکتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زمانۂ قبل از تاریخ سے عہد حاضر کے آغاز تک جسقدر جنگ اور خونریزیاں برپا ہوتی رہی ہیں اگرچہ شعور انسانی کے ارتقا کے ہر دور میں ان کے مقاصد و وسائل اور انکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تباہ کاریوں کی حدود ایک دوسرے سے مختلف رہی ہیں لیکن ان میں سے کسی جنگ اور تصادم نے کسی دور میں بھی عوام کی زندگی پر وہ ہمہ گیر تخریبی اثرات مرتب نہیں کئے جو گذشتہ دو عالمگیر لڑائیوں کی بدولت رونما ہوئے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ بیسویں صدی عیسوی سے قبل جو لڑائیاں برپا ہوا کرتی تھیں چونکہ وہ حکمراں اور صاحب اقتدار طبقوں ہی تک محدود رہتی تھیں اس لئے فتح وشکست دونوں صورتوں میں عوام بہت بڑی حد تک ان کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے تھے لیکن آج جبکہ مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ وجدل کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے عوام پہلے سے کہیں زیادہ جنگ کے ہولناک اور تباہ کن اثرات کا شکار ہوتے ہیں اور اسی لئے ازمنۂ وسطیٰ اور اس کے بعد کے زمانوں کی تحریکات بقائے امن سے مایوس ہو کر کوئی ایسی تدبیر سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں جو مستقبل میں انہیں جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ و مامون رکھ سکے۔ اور اس سلسلہ میں وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس کی حقیقت اور اہمیت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پیشتر اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنیادی قوت و طاقت کیا ہے جو عہد حاضر کی لڑائیوں میں فتح وکامرانی کی ضامن ثابت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض مخصوص حالات کے علاوہ انسان کی اجتماعی زندگی کے ہر دور میں معاشرہ کے بعض مخصوص طبقات ہی جنگ وجدل ہی کی قیادت کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہی صورت حالات پیش نظر ہے لیکن چونکہ آج مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ کا دائرہ بے حد وسیع ہو چکا ہے اس لئے ماضی کے برعکس آج کوئی چھوٹی سے چھوٹی لڑائی بھی عوام کے پورے تعاون اور اشتراک عمل کے بغیر فتح ونصرت کی منزل تک نہیں پہونچ سکتی اور اس لئے عوام کا تعاون اور اشتراکِ عمل ہی وہ بنیادی قوت ہے جس کو متحرک کئے بغیر جنگ وجدل کے حامی طبقات بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر دنیا کے عوام ہی جنگ وجدل کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ جنگ باز طبقوں کے قوی عمل بھی مضمحل اور معطل ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد دنیا کے عوام نے مستقبل میں جنگ وخونریزی کو ناممکن بنانے کے لئے جو تدبیر سوچی ہے وہ حالات کے مذکورہ بالا منطقی تجزیہ ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ایک جانب تو دنیا کے عوام خود اپنی اپنی جگہ اس بات کا عہد کریں کہ وہ تیسری عالمگیر جنگ برپا کرانے کے سلسلے میں جنگ باز طبقوں اور گروہوں کے ہر اقدام کی شدید ترین مخالفت اور مزاحمت کریں گے۔ اور دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا کے ان طاقتور ممالک کو جن کے تعاون باہمی پر بقائے امن عالم کا انحصار ہے اس امر پر مجبور کر دیں گے کہ وہ صرف موجودہ بین الاقوامی تنازعات ہی کو مفاہمت کے ذریعہ سے طے کریں بلکہ مستقبل میں جنگ کے تمام امکانات کو معدوم کرنے کے لئے بقائے امن کا ایک مستقل معاہدہ بھی کرلیں۔

بقائے امنِ عالم کی یہ عوامی تحریک اگرچہ آج سے کم و بیش ڈھائی سال قبل ہی شروع ہوئی ہے لیکن اصابت کی بنا پر اس قلیل سی مدت ہی میں اس نے ہمہ گیر حیثیت حاصل کرلی ہے اور دنیا کے ہر گوشہ کے کروڑوں باشندے اپنے اپنے ملک کی حکومتوں ادارہ اقوام متحدہ اور دنیا کے پانچ بڑے ممالک —— متحدہ امریکہ، سوویٹ یونین، چین، برطانیہ اور فرانس —— سے اس امر کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ تمام ذیٹمی اسلحہ کے استعمال کو ممنوع قرار دیتے، اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی کو روک دینے، موجودہ مسلح افواج میں تخفیف کرانے اور جنگ باز طبقات کی طرف سے جنگ کی حمایت میں جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اسے خلاف قانون قرار دینے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس طرح مستقبل میں جنگ کے ہر امکان کو قطعاً معدوم کر دیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بقائے امن عالم کے سلسلہ میں مذکورہ بالا عوامی تحریک میں جو قوت کارفرما ہے پیلیسف ازم اور اسی قسم کی دوسری تحریکات میں وہ قوت موجود نہیں ہوسکتی تھی اور اسی لئے بقائے امن کی متعدد تحریکات کی موجودگی کے باوجود موجودہ صدی کے نصف اول میں برپا ہونے والی دو عالمگیر لڑائیوں کو بھی نہیں روکا جا سکتا تھا لیکن چونکہ بقائے امن کی یہ نئی تحریک عوام کے عزم مخالفت جنگ اور حصولِ مقصد کے لئے ان کے جذبۂ عمل پر مبنی ہے اس لئے اسی تحریک کو بقائے امن عالم کی حقیقی تحریک کہا جا سکتا ہے اور گذشتہ دو سال کی مدت میں عالمگیر جنگ برپا ہونے یا ایٹمی اسلحہ سے کام لینے کے جو مواقع پیدا ہوتے رہے ہیں اگر بین الاقوامی جنگ باز طبقے انھیں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے استعمال نہیں کر سکے تو اس کے لئے بھی دنیا کو بقائے امن کی اسی عوامی تحریک کا مرہونِ منت ہونا چاہئے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری نہیں معلوم ہوتی کہ بقائے امن عالم کی یہ عوامی تحریک دنیا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کی کتنی بڑی تعداد پر اثر انداز ہو چکی ہے اور دنیا کے کس کس ملک نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے سلسلہ میں کیا کیا اقدامات کئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ کی مجلس عمومی پر تخفیف اسلحہ اور ایٹمی اسلحہ کی تیاری اور استعمال پر بین الاقوامی نگرانی قائم کرنیکی جن تجاویز پر غور کیا جا رہا ہے وہ بھی اسی تحریک کا نتیجہ ہیں لیکن جب تک اس سلسلہ میں دنیا کے عوام کے تمام مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا مستقبل میں جنگ کے تمام امکانات کو مسدود بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

علامہ سیماب اکبرآبادیؒ کا غیر فانی کارنامہ عظیم

وحیٔ منظوم

یعنی منظوم ترجمۂ قرآن مرقوم مع معانی و مفہوم

اب سے کئی سال قبل علامہ سیمابؒ نے قرآن مجید کے تیسویں پاروں کا منظوم ترجمہ فرمایا تھا جسے ہندو پاک کے مشاہیر و مستند علماء و فضلاء (مولانا سید حسین احمد مدنی۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری۔ مولانا محمد میاں، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔ مولانا احمد علی لاہوری۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ خواجہ حسن نظامی، مولانا محمد نعیم لدھیانوی۔ مولانا محمد ادریس۔ مولانا محمد صادق وغیرہ) نے نہ صرف پسند فرمایا تھا بلکہ اسے مستند بھی قرار دیا تھا۔ ہزار ہا شائقین کے پیہم اصرار پر تیسواں پارہ اعلیٰ درجہ کے آرٹ پیپر پر نمونتاً طبع کرایا گیا ہے جس کا ہر صفحہ رنگین بلاکسی کی عکسی طباعت سے مزین ہے۔ اس منظوم ترجمہ کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ تیرہ سو سال بعد یہ پہلی کامیاب اور مستحسن کوشش ہے۔ یہ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے منثور ترجموں کی روشنی میں منظوم کیا گیا ہے۔ ایک صفحہ پر جلی قلم سے قرآن کی سورتیں ہیں اور اس کے سامنے دوسرے صفحے پر منظوم ترجمہ۔ ترجمہ اتنا سلیس، الیسا دلنشین اور روح پرور ہے کہ تلاوت کلام الٰہی کے ساتھ ساتھ منظوم ترجمہ کے مطالعہ سے روح مجوم ہنے لگتی ہے۔ آخر میں علماء عہد حاضر کی گرامی آراء بھی دے دی گئی ہیں۔ ہدیہ صرف دو روپیہ محصول رجسٹری ۸ر

(وی پی نہیں بھیجا جائے گا۔ منی آرڈر پر اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھئے)

مینیجر مکتبۂ قصر الادب۔ دفتر شاعر پوسٹ بکس ۵۲۶۷ بمبئی ۸

© rasailojaraid.com